POSTED AT NDPSO ON 3-4 DECEMEBER 2001
U (C) 160/2001 TO POST WITHOUT PREPAYMENT
POSTAL REGN. NO. DL-11186/2001 R.N.I NO. 2186/57

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

۸ تا ۱۴ دسمبر ۲۰۰۱ء (08-14 DECEMBER 2001)

شمارہ نمبر: ۴۶ جلد نمبر: ۶۰

رامپور کی رضا لائبریری دنیا کے ان بیش بہا کتب خانوں میں سے ایک ہے جن پر اقوام عالم کو فخر ہے۔ یہاں پر علم و دانش کے ایسے گوہر نایاب محفوظ ہیں کہ جن کو دیکھنے اور استفادہ کرنے کے لیے دنیا بھر سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ سرمایہ ان روہیل کھنڈ کا یہ ذاتی ذخیرہ ۱۷۷۴ء سے جمع ہوتے ہوتے آج ہمارے درمیان قومی خزانہ کی شکل میں موجود ہے جسے رامپور کے آخری نواب رضا علی خاں کی دور اندیشی نے ۱۹۵۲ء میں حکومت اترپردیش کے حوالے کیا اور ۱۹۷۵ء میں نواب مرتضیٰ علی خاں کی ذہانت و فراست نے پارلیمنٹ ایکٹ کی رو سے حکومت ہند کی براہ راست تحویل میں محفوظ کرادیا۔ آج کتابوں کا یہ تاج محل

اور دیسی ریاستوں کی خبریں بکثرت شائع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ غزلیات بھی اس اخبار میں شائع ہوتی تھیں۔ اخبار کی ایک خبر کے مطابق نواب یوسف علی خاں ناظم والی رامپور اور والیہ بھوپال نواب سکندر جہاں بیگم کو الہ آباد میں حکومت برطانیہ کی جانب سے ستارۂ ہند یعنی اسٹار آف انڈیا کا خطاب عطا ہوا۔ ایک اور خبر کے مطابق بنارس کے سرکاری کالج (آج کی بنارس ہندو یونیورسٹی) میں ترمیم شدہ نصاب تعلیم نافذ ہوا۔

تیسرا اہم اخبار میرٹھ کا 'جلوۂ طور' ہے جو ہر ہفتے سولہ صفحات پر منشی گنیشی لال کی ادارت میں چھپتا تھا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء کے محفوظ شمارے کے مطابق اس اخبار میں دیسی ریاستوں کی خبریں

رضا لائبریری کے اہم اخبارات و رسائل

ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی (۳۳-انگوری باغ، رامپور-۲۴۴۹۰۱، یوپی)

گورنمنٹ آف انڈیا کے باوقار نمائندے ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی جیسے دانش مند مدیر کی اقامت اور رہنمائی میں ترقی کی اعلا منزل پر گامزن ہے۔

رضا لائبریری کی عام شہرت یوں تو نادر کتابوں اور نایاب مخطوطات کے سبب ہے لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ رضا لائبریری میں اہم اخبارات و رسائل بھی بکثرت موجود ہیں۔

رضا لائبریری میں سب سے قدیم اخبار امین الاخبار ہے جو الہ آباد سے ہر ہفتے آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا اس کے ایڈیٹر وزیر الدین خاں تھے۔ ۱۳ جون ۱۸۵۹ء کا ایک شمارہ یہاں محفوظ ہے جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار میں گورنمنٹ برطانیہ کی خبریں کثرت سے اور دیسی ریاستوں کی خبریں مختصر طور پر شائع ہوتی تھیں۔

دوسرا قدیم اخبار 'مطلع نور' ہے جو کانپور سے ہر ہفتے بڑے سائز کے سولہ صفحات پر منشی جمنا پرشاد کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے شمارے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گورنمنٹ کی خبریں کم کثرت سے شائع ہوتی تھیں۔ مدراس سے شائع ہونے والے ہفتہ وار 'شمس الاخبار' کے ۱۸۶۶-۶۷ء کے بیشتر شمارے یہاں موجود ہیں۔ ۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء کی ایک خبر کے مطابق والی اودھ نواب واجد علی شاہ اختر نے اپنے بیٹے کے لیے ایک ہوائی جہاز قرض خریدا تھا جس کی ادائیگی گورنر جنرل ہند نے کردی ہے۔ میرٹھ کے ہفتہ وار اخبار 'لارنس گزٹ' کا ۱۵ مئی ۱۸۶۷ء کا شمارہ بھی یہاں محفوظ ہے۔ اس اخبار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ ہند کے حکم پر مہاراجہ گوالیار نے اپنی فوج توڑ دی ہے اور قلعہ سرکار انگریزی کے حوالے کردیا ہے۔ ایک دوسری خبر بتاتی ہے کہ سنٹرل انڈیا کا ہیڈ کوارٹر ناگپور سے بدل کر جبل پور کردیا گیا ہے۔

رامپور سے شائع ہونے والا اخبار 'دبدبہ سکندری' کے ۱۵ نومبر ۱۸۹۷ء کے شمارے کے علاوہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۰ء کے مکمل فائل رضا لائبریری میں موجود ہیں۔ 'دبدبہ سکندری' دیسی ریاستوں کی خبریں نہایت پابندی سے شائع کرتا تھا۔ خبروں کے علاوہ علمی اور ادبی مضامین اور قطع منظوم حصہ بھی اس اخبار کی زینت ہوا کرتا تھا۔ اخبار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ مارچ ۱۹۱۹ء کو گاندھی جی رامپور تشریف لائے اور بی اماں کے مہمان ہوئے۔ اس اخبار میں مشاہیر عالم کی خبریں اور تعزیتی نوٹ بھی بڑے جاندار ہوا کرتے تھے مثلاً ۲۸ جنوری ۱۹۲۱ء کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی وفات، ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی وفات اور ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلوی کی وفات پر اخبار 'دبدبہ سکندری' نے نہایت معلوماتی نوٹ شائع کیے ہیں۔

'دبدبہ سکندری' کے علاوہ اردو اخبار دہلی کا ۸ فروری ۱۸۷۴ء کا شمارہ اور اخبار 'مفید عام' آگرہ کا ۱۵ ستمبر ۱۸۷۳ء کے شمارے بھی یہاں محفوظ ہیں جو دہلی اور آگرہ جیسے اہم سیاسی اور علمی مراکز کی سرخیوں کی خبروں سے پر ہیں۔

اخبارات کے علاوہ یہاں سرکاری گزٹوں میں گورنمنٹ گزٹ ممالک مغربی و شمالی الہ آباد کے ۱۸۷۶-۷۷ء کے فائل یہاں موجود ہیں جن میں اس دور کے سرکاری احکام و قواعد شائع ہوئے ہیں۔

ریاست رامپور کے سرکاری گزٹ کے یکم جولائی ۱۸۸۹ء سے ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء تک کے تمام شمارے یہاں محفوظ ہیں۔ رامپور ریاست کی علمی، ادبی اور سماجی تاریخ پر کام کرنے والوں کے لیے ان گزٹوں سے استفادہ ناگزیر ہے۔

لکھنؤ کے مشہور مزاحیہ اخبار 'اودھ پنچ' کے ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۰ء تک کے مکمل فائل اور ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۱ء تک کے متفرق فائل یہاں محفوظ ہیں۔ یہ بات بالکل مسلّم ہے کہ آج تک مزاح نگاری کی صحافت میں کوئی دوسرا اخبار 'اودھ پنچ' کی برابری نہیں کرسکا۔

'اودھ پنچ' کے علاوہ اخبار 'پنچ' لکھنؤ، 'صدق اور صدق جدید' لکھنؤ کے فائل بھی یہاں محفوظ ہیں۔ رامپور کے مختصر مدتی اخبارات کے فائل بھی یہاں پر موجود ہیں۔

اہم رسائل

رضا لائبریری میں سب سے قدیم رسالہ 'ابناء ہند' آگرہ ہے جو ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا۔ ۱۸۶۰ء میں آگرہ سے ہی 'بہار ہند' کے نام سے منظوم رسالہ جاری ہوا۔ ان دونوں رسالوں کے مطالعے سے ہمیں تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کا بنیادی مواد بکثرت ملتا ہے۔

اس کے علاوہ دہلی کی مشہور علمی تنظیم دہلی سوسائٹی کے رسالہ کے ۱۸۶۵-۶۶ء اور ۱۸۷۳ء کے شمارے یہاں موجود ہیں جس کے مطالعے سے اس دور کے ممتاز ادبا مثلاً ماسٹر رام چندر اور مولانا مملوک العلی جیسے حضرات کی نگارشات کا علم ہوتا ہے۔

آگرہ کا رسالہ 'ذخیرہ گوپال گوبند' ۱۸۶۹ء کا ایک شمارہ بھی یہاں موجود ہے۔ اسی رسالے نے مرزا غالب کی وفات پر سب سے پہلے مضمون شائع کیا تھا۔

اس کے علاوہ رسالہ 'ذوالقرنین سوسائٹی' میرٹھ ۱۸۷۹ء، رسالہ 'اتالیق پنجاب' لاہور ۱۸۸۳ء، رسالہ 'عرب سرائے سوسائٹی' دہلی، ۱۸۷۵ء، رسالہ 'دلگداز' لکھنؤ ۱۸۸۸-۹۰ء اور

'ادب' ماہوار میرٹھ ۱۸۹۰-۹۱ء کے شمارے بھی یہاں محفوظ ہیں جن میں ممتاز شعرا کا کلام اور مشاہیر ادبا کی تحریریں لائق مطالعہ ہیں۔

اردو میں لغوی مسائل اور قواعد و ضوابط پر پہلا رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا۔ اس رسالے کے دو شمارے یہاں محفوظ ہیں۔ اس رسالے کی اشاعت میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کا بڑا ہاتھ تھا۔

میعادی رسائل کی ایک صنف شعری گلدستوں کی تھی جو انیسویں صدی میں بہت تیزی سے فروغ پا گئی تھی۔ اس کے تحت ایک مکمل رسالہ صرف شعراء کے طرحی، غیر طرحی کلام پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس طرح کے رسالے گلدستے کہلاتے ہیں۔ رضا لائبریری میں اس طرح کے قابل قدر گلدستوں میں 'خدنگ نظر' لکھنؤ، 'دامن گلچیں' رامپور، 'زبان سخن' وغیرہ شامل ہیں۔

رسائل کی ایک صنف شعری، نثری دونوں قسم کے مواد کا احاطہ کرتی تھی ان میں رامپور کا رسالہ 'حدیقۂ عاشقی' اور لکھنؤ کے نولکشور پریس کا رسالہ 'اودھ ریویو' قابل ذکر ہیں۔

بیسویں صدی آتے آتے اردو میں رسائل کی ایک بڑی تعداد وجود میں آچکی تھی۔ چنانچہ رضا لائبریری میں ہم دیکھتے ہیں کہ منشی دیانرائن نگم کا رسالہ 'زمانہ' جو کانپور سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی بہت سی جلدیں یہاں محفوظ ہیں۔ دہلی کے رسالہ 'برہان' اور اعظم گڑھ کے رسالہ 'معارف' کی تقریباً تمام جلدیں یہاں میسر ہیں۔ نیاز فتحپوری کا رسالہ 'نگار' لکھنؤ، خواجہ حسن نظامی کے رسالے 'نظام المشائخ' اور 'منادی' کے پرچے بھی بکثرت یہاں موجود ہیں۔

رسالہ 'آجکل' دہلی، رسالہ 'نیا دور' لکھنؤ، رسالہ 'تحریک' دہلی کے فائل بھی یہاں کثیر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

ان تمام چیزوں کے جائزے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ رامپور رضا لائبریری مطبوعات، مخطوطات کے علاوہ نادر و نایاب اخبارات و رسائل کے ذخیرے سے پر ہے۔ آج کے دور کا کوئی بھی اسکالر خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ریسرچ کر رہا ہو، رضا لائبریری کے اس ذخیرے سے استفادہ اس کے لیے ناگزیر اور لازمی ہے۔ ☆☆☆

قدیم اردو کی شاخ گوجری زبان کے عظیم شاعر

دوسری اور آخری قسط

شاہ بہاء الدین باجن

اختر اورینوی (خانقاہ وارڈ، برہانپور [ایم۔ پی] ۴۵۰۳۳۱)

ظہیرالدین مدنی مرحوم نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے خزائن رحمت اللہ کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"ایں فقیر از طرف سندھ تا خراسان واز طرف دکن تا بیابان مسافرت نمود۔"

اس کے لیے مدنی صاحب مرحوم نے خزائن رحمت ملفوظ کے کلام اللہ حضرت کا حوالہ دیا ہے۔ بعد کے حالات زندگی آپ (مدنی صاحب مرحوم) نے یوں تحریر فرماتے ہیں:

"باجن شیخ رحمت اللہ کی تلاش میں چلے گئے تھے کہ ان کے مرشد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت رحمت اللہ کے کوئی اولاد نہیں تھی بلکہ انھوں نے وفات سے قبل خرقۂ خلافت اور فرمان اپنے بھتیجے شیخ عطاء اللہ بن شیخ شیر اللہ کے سپرد کرکے ہدایت کی تھی کہ شاہ بہاء الدین کے آنے کے بعد انھیں تبرکات سپرد کیے جائیں۔ جب باجن احمد آباد پہنچے تو شیخ عطاء اللہ نے تبرکات باجن کے حوالے کر دیے۔ باجن نے خرقہ اور فرمان کو سر پر رکھا اور اس وقت قوالوں نے باجن کا کلام گانا شروع کیا اور جب قوال اس شعر پر پہنچے

شاہ رحمت اللہ نے تجھ پر یہ عطا
تم باجن کو سونپی (فرمان)

اس وقت قوال نے ... باجن لاگے تیرے ... اس وقت باجن پر وجد طاری ہو گیا۔ بے ہوش کر حق دست جیسے ہی باجن نے دونوں ہاتھ اونچے کیے خرقہ خود بخود جسم پر زیب تن ہو گیا۔ لقب باجن بھی اسی وقت سے مشہور ہوا ہے۔"

چند سال باجن نے شیخ عطاء اللہ کی خدمت میں بھی گزارے۔ شاہ باجن نے ایک دن احمد آباد سے رخت سفر باندھا اور بیدر پہنچ کر چلہ کشی کی۔ اس کے بعد گجرات لوٹ آئے۔ یہاں آٹھ سال ریاضت میں گزارنے کے بعد برہان پور قصد کیا کیوں کہ ایک دفعہ حضرت رحمت اللہ نے بشارت دی تھی کہ:

"مقام شما در برہان پور است و وصال شما آنجا خواہد شد۔"

اور جب برہانپور کے سفر کا ارادہ کیا تو خواب میں حضرت برہان الدین نے بشارت دی کہ:

"برہان پور حوالہ شما کردیم و اجازت نامہ نوشتہ دادند" (۴۸)۔

شاہ باجن کو جو لقب اپنے پیر کی جانب سے ملا تھا اس کے معنی ہندی (اور فارسی) زبان میں مزامیر (بجر) ہے۔

جب آپ کی عمر چالیس برس سے زیادہ ہو گئی تو آپ کے پیر نے خواب میں آکر فرمایا کہ: "تمھارا مقام شہر برہان پور ہے۔ تمھارا وصال بھی اسی جگہ ہوگا۔" یہ سن کر آپ کو بے انتہا مسرت ہوئی۔ لیکن آپ کسی وجہ سے برہان پور نہ جاسکے۔ پھر ایک مدت کے بعد آپ کے دل میں حضرت برہان الدین غریب کے روضۂ اقدس کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی۔ تب آپ دولت آباد پہنچے۔ اس وقت روضۂ مذکور کے متولی شیخ معین نے اپنے پیر کی بشارت کے مطابق آپ کو پیر کی پیشواز عنایت کیا۔ اسی روز حضرت برہان الدین غریب نے آپ کے خواب میں آکر فرمایا: "تمھارا مقام برہانپور ہے، جو ہم نے تمھارے حوالے کیا۔" پھر شاہ باجن بیدر کے لیے روانہ ہو گئے۔ بیدر میں حضرت مسعود بک کے خلیفہ حضرت شیخ چھجے کی خدمت میں رہ کر آپ نے چلہ کشی کی اور مسعود بک کا خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر آپ احمد آباد لوٹ آئے اور یہاں آٹھ سال تک گوشہ نشیں رہ کر ریاضت کی۔ پھر فرمان و بشارت کے مطابق برہان پور کے لیے روانہ ہوئے اور برہان پور کے قریب پہنچ کر موضع خانہ پور میں قیام فرمایا۔

والی برہان پور کو جب آپ (شاہ باجن) کے خانہ پور میں قیام کا حال معلوم ہوا تو وہ چند مشائخین کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے برہان پور آنے کی درخواست کی۔ شاہ باجن نے والی برہان پور کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور برہان پور تشریف لے آئے اور وہاں قیام فرمایا جہاں آپ کی درگاہ واقع ہے۔

برہانپور میں آپ کے قیام کے لیے گھر، خانقاہ اور مسجد تعمیر کی گئی۔ برہان پور کی فاروقیہ سلطنت کا آٹھواں فاروقی بادشاہ عادل شاہ اعظم ہمایوں (متوفی ۹۲۶ھ) ابن حسن خاں (نواسہ سلطان محمود بیگڑہ بادشاہ گجرات) شاہ صاحب کا بے حد معتقد تھا۔ اس کے حکم پر وزیر سلطنت ملک الشرق تاج بن کیا نے شاہ صاحب کے لیے مسجد اور خانقاہ وغیرہ ۸۷۷ھ میں تعمیر کروائی تھی جو آج بھی قابل دید حالت میں موجود ہے۔

برہان پور میں شاہ باجن کی تشریف آوری کا سن ۸۷۲ھ تاریخی شواہد سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ برہانپور میں آپ کے قیام کے تعلق سے ڈاکٹر شیخ فرید مرحوم کا کہنا ہے کہ "برہان پور میں شاہ باجن کے قیام کی مدت کا تعین مشکل ہے۔ چالیس برس کی عمر میں احمد آباد کے خواب، سفر اور بعد میں آٹھ سال تک قیام احمد آباد کو محسوب کیا جائے تو تقریباً ۵۵/۶۰ سال ہوتے ہیں۔ گویا انھوں نے عمر کا نصف سے کم حصہ یہاں گزارا" (ص ۹، شاہ بہاء الدین باجن)۔

اگر تعمیر مسجد کا سن بنیاد ۸۷۷ھ سے چار پانچ سال قبل برہانپور میں اقامت گزینی کا شمار کریں تو تقریباً چالیس کا عرصہ ہوتا ہے۔ برہانپور میں زہد و عبادات و ریاضت میں مصروف ہوگئے اور رشد و ہدایات کی مسند پر متمکن ہوئے۔

برہانپور میں شاہ باجن کے قیام کی مدت چالیس سال 'سخنوران گجرات' کے مصنف ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی مرحوم اپنی اس مذکورہ کتاب میں جو بہت پہلے ۱۹۸۱ء میں لکھ چکے ہیں۔ سخنوران گجرات میں آپ نے لکھا ہے کہ "برہانپور میں ان کی عمر عزیز کے چالیس سال گزرے"۔ (ص ۴۸)

اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت شاہ بہاء الدین باجن نے قدیم زمانے کی فاروقیہ سلطنت کے دارالخلافہ برہان پور، دارالسرور میں چالیس سال تک مستقل سکونت اختیار کرکے طالبان علم و عرفان کو رشد و ہدایت بھی کی اور درس و تدریس کی خدمت بھی بے لوث انجام دی۔ اسی درمیان آپ نے جو کلمات اپنے پیر شیخ رحمت اللہ کی زبان سے سنے تھے اور مشائخ سلف کی مناقب سے سب جمع کرکے ایک کتاب تصنیف کی اور پیر کے نام کی مناسبت سے اپنے ملفوظات کو خزائن رحمت اللہ سے موسوم کیا۔

تاریخی شواہد سے یہ بات طے ہے کہ حضرت شاہ باجن نے اپنے گراں قدر ملفوظات برہانپور نویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ۸۷۲ھ (یا ۸۷۳ھ) کے لگ بھگ ضبط تحریر میں لانا شروع کیے تھے۔ یہ ملفوظات جو کہ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں کس سن میں تکمیل کو پہنچے کہنا مشکل ہے۔ تذکروں کی کتابیں اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

۸۷۳ھ سے پہلے برہانپور میں کسی کتاب کے لکھے جانے کی تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی ہے اس لیے ہم یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شاہ باجن کے مذکورہ ملفوظات ہی

اداریہ

دوسری قسط

اردو کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی زبوں حالی کا ذمہ دار کون؟

پہلے ہم اپنے بچوں کو گھروں پر قرآن شریف ضرور پڑھاتے تھے اس کے ذریعے بھی بچے خاصی اردو پڑھ لیا کرتے تھے، ان کا تلفظ اور املا درست ہو جاتا تھا۔ اب قرآن شریف اور دعائیں وغیرہ دیوناگری رسم الخط میں اس طرح منتقل کر کے چھاپ دی گئی ہیں کہ بچوں کو عربی زبان اور اردو پڑھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ لیجیے ہو گئی چھٹی! مسلمانوں کو ایک ہی پریشانی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن شریف کیسے پڑھائیں گے تو قرآن شریف اور تمام مذہبی لٹریچر دیوناگری میں فراہم کر دیا گیا ہے۔

اس پوری گفتگو سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ شمالی ہند کے بیشتر اردو والے اردو کی لڑائی ہار گئے ہیں۔ جس زبان کے بولنے والے مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق چار کروڑ اور اصل میں سات آٹھ کروڑ ہوں اس زبان کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ اور اگر کر سکتی ہے تو خود اس کے بولنے والے۔ انجمن نے اردو والوں سے بارہا درخواست کی ہے کہ اگر ایک اردو والا صرف ایک شخص کو اردو پڑھانے کا ذمہ لے لے تو سال بھر میں ان کے بولنے اور لکھنے والوں کی تعداد دگنی ہو جائے گی اور چار پانچ سال میں اردو والوں کی اکثریت اردو پڑھنا لکھنا سیکھ لے گی۔ لیکن ہمیں حکومتوں اور اداروں کو برا بھلا کہنے سے فرصت ملے تو کوئی بنیادی کام کریں۔ اس کے علاوہ ایک اور ضروری کام ہے جس کو اردو والے کریں تو نہ صرف اردو کے زوال کو روکا جا سکتا ہے بلکہ اسے دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شامل کیا جا سکتا ہے وہ کام یہ ہے کہ اردو والے اپنی آمدنی کا صرف ایک فیصد اردو اخباروں، رسالوں اور کتابوں پر خرچ کریں۔ اگر ہماری بک انڈسٹری ترقی کرے گی تو اردو بھی ترقی کرے گی۔ کتابیں، رسالے اور اخبارات چھاپنے والوں کی تعداد بڑھے گی اور اس طرح پڑھنے والوں کی تعداد پر خوش گوار اثر پڑے گا۔ کچھ عرصہ ہوا رامجی راؤ کے ای ٹی وی نے اردو چینل بھی شروع کیا ہے۔ کرنل بشیر حسین زیدی کی صاحبزادی محترمہ شمیم زیدی اس کی انچارج ہیں۔ انھوں نے ای ٹی وی اردو میں ایک شرط لگا دی ہے کہ ہر اسکرپٹ رائٹر اپنا اسکرپٹ اردو رسم الخط میں بھیجے گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ملک کے مختلف حصوں خاص طور سے ممبئی میں دیوناگری رسم الخط میں لکھی اسکرپٹ کو لوگ اردو میں منتقل کراتے پھر رہے ہیں جس کی وجہ سے اردو ادیبوں کو خاصا کام مل گیا ہے۔ پچھلے دنوں انجمن ترقی اردو (ہند) نے بھی پروڈیوسروں کے دیوناگری رسم الخط کے مسودوں کو اردو رسم الخط میں منتقل کر کے کمپیوٹر کمپوزنگ کیا ہے جس کی وجہ سے انجمن کی آمدنی میں تھوڑا بہت اضافہ ہو گیا ہے۔

اگر اردو والے رسالوں اور کتابوں کی طرف توجہ دیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بہت سے لوگ صرف اس وجہ سے اردو پڑھیں کہ وہ اردو کتابوں اور رسالوں کے کاروبار کو اپنانا چاہتے ہیں۔

سے برہانپور میں ادب کی تشکیل ہوئی ہے اور آپ کی گراں قدر تصنیف "خزانۂ رحمت" کو برہانپور کی پہلی تصنیف ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ ہاں برہانپور میں اردو شاعری کی ابتدا حضرت سعدی دکنی برہانپوری کے کلام سے ہوئی ہے۔

حضرت شاہ باجن دوسرے شاعر ہیں جن کا ہندی اور گجری کلام یہاں گو نجا بھی ہے اور ترتیب بھی پایا ہے اور جو ہمارے سامنے کتابی شکل میں موجود بھی ہے۔ یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے۔

برہانپور میں آپ کا وصال ۱۴ ذی قعدہ ۹۱۲ھ میں ہوا۔

شاہ باجن نزد بیا نگون محبوب شد
سال تاریخ وفاتش در حروف خوب شد
۹۱۲ھ

یہ تاریخ وفات آپ کے مرید نے لکھی ہے جو بہت مشہور ہے۔ ایک دوسرے شاعر نے ایک عدد کے تدخلہ سے تاریخ رحلت خوب کہی ہے۔

شاہ باجن در زمانش قطب بود
رحمت خود راچوں بسوئے حق بود
از سر افسوس شد تاریخ آں
شاہ باجن عاشق اللہ بود
۹۱۲ = ۱ + ۹۱۱

قطعہ تاریخ در بحر اخوا الصلین:

چوں بہاء الدین باجن کسی بود
ذات پاکش رحمت اللہ بود
روز نقل شیخا ہاتف گفت
نقل شیخ شاہ کسی بود
شاہ باجن عاشق اللہ بود
زاں کہ شاہ از علم حق آگاہ بود
شاہ باجن واقف اسرار بود
رحمت خود چوں بسوئے حق ربود
گفت ہاتف روز وصل شیخنا
شاہ باجن عاشق اللہ بود
۹۱۲ھ

(تاریخ اولیائے کرام برہانپور، ص ۸۹)

آپ کا مزار شہر برہانپور میں محلہ شاہ بازار (بکھرواڑی) میں واقع ہے۔ آپ کے مزار پر سنگین گنبد بنا ہوا ہے جو برہانپور کے فاروقی بادشاہ اعظم ہمایوں نے تعمیر کروایا ہے۔ گنبد میں داخل ہونے کا دروازہ جنوبی رخ پر ہے جس کی پیشانی پر آپ ہی کا قطعہ (رباعی) سنگ مرمر پر بنا کے نیلگوں حروف میں منقوش ہے۔

آپ کے پانچ فرزند اور ایک دختر تھی۔ فرزندوں کے نام ایڈیٹ مرحوم نے یہ لکھے ہیں: شاہ عبدالحلیم (مدفون احاطہ شاہ باجن مسجد کے جنوبی بازو میں گلی میں)، شاہ بہلول (مزار کھنڈوہ برہانپور روڈ کے کنارے)، مستان شاہ (مزار راویر ضلع جلگاؤں مہاراشٹر)، محمد معصوم (مزار گجور کی مسجد، چوک بازار برہانپور)، محمد یحییٰ (مزار کا علم نہیں)۔

بقول مصنف "تذکرہ اولیائے دکن" آپ کی صاحب زادی سید میراں حیدر آبادی سے بیاہی گئیں۔ ان کے فرزند سید قطب عالم تھے"۔ (بحوالہ تاریخ اولیائے کرام برہانپور، ص ۹۱)۔

حضرت شاہ باجن کے بے مثل علم و فضل کا آپ اندازہ اس بات سے اچھی طرح لگا سکتے ہیں کہ آپ کے ایک نامور مرید حضرت شیخ علی متقی بن حسام الدین جونپوری جنھوں نے عربی و فارسی میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں اور جنھوں نے اپنی ایک کتاب جو بارہ ہزار ابیات پر مشتمل تھی، نہایت اچھے خط میں بارہ راتوں میں تحریر کی۔ (تاریخ اولیائے کرام برہانپور)۔

آپ کی مشہور زمانہ تصنیف "کنز العمال" عربی ہے۔ یہ کتاب ۹۵۷ھ میں تصنیف کی گئی۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد (دکن) سے ۱۳۱۳ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی آٹھ جلدیں کتب خانہ پیر محمد شاہ میں موجود ہیں۔ اس کے تین نسخے (قلمی) بھی مذکورہ کتب خانے میں موجود اور محفوظ ہیں۔

حضرت شیخ علی متقی کا وصال ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ آپ وہیں مدفون ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات شیخ مکہ متابعت نبی اور قطعی نجمہ سے برآمد ہوتی ہے۔

آں کہ او ہادی متقی و علی است
متقی زمانہ شیخ علی ست
وارث علم مرسلین بودہ
خاتم دین را نبی بودہ
در اتفاق اتقیا او بود
کوئی تقوی حریں زمانہ بودہ
در احادیث بودہ بے ہمتا
بچوں او دختراں قمر یکتا
یہ قناعت عربی او مرام است
عاجز از وصف او قلم است
از بہاری تخت بود بودم
کہ علی شد باوش چوں غم
سال ترتیل او رقم افتاد
وارث الانبیاء نجق جاں داد
۹۷۵ھ

شاہ باجن کے سبھی فرزند نہایت پرہیزگار اور عبادت گزار تھے اور درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ علم و فضل میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ خاص طور پر آپ کے بڑے فرزند حضرت شیخ عبدالحلیم زبردست عالم و فاضل تھے۔ آپ کے سامنے بڑے بڑے عالموں نے زانوئے ادب تہ کیا ہے جن میں مشہور زمانہ جید عالم حضرت شیخ علی متقی کا نام نامی قابل ذکر ہے۔ حضرت شاہ باجن کی رحلت کے بعد شیخ علی متقی نے آپ کے (شاہ باجن) کے فرزند بزرگ اور جانشین حضرت شیخ عبدالحلیم کی خدمت حاضر ہو کر نہ صرف یہ کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ آپ کی خدمت اقدس میں رہ کر تھوڑے ہی عرصے میں جملہ مقامات چشتیہ طے کر کے خلافت چشتیہ کا خرقہ حاصل کیا۔ (بحوالہ تاریخ اولیائے کرام برہانپور، ص ۲۰۴)۔

شیخ عبدالحلیم بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی ایک قلمی یادگار حاشیہ تلخیص المفتاح کے تعلق سے ڈاکٹر شیخ فرید مرحوم نے اپنی تصنیف "شاہ بہاء الدین" میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ قلمی یادگار کتب خانہ درگاہ برہان الدین راز الٰہی (برہانپور) میں محفوظ ہے"۔

شاہ باجن کے پسر زادے شیخ فرید ابن شیخ عبدالحلیم بھی بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ ڈاکٹر شیخ فرید مرحوم کے لکھنے کے مطابق گلزار ابرار (قلمی ورق ۳۹۶) اور ثمرات الحیات (مرتبہ عاقل خاں رازی، قلمی) کے چند ثمرات میں شیخ فرید کا ذکر ملتا ہے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے، صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ "شیخ فرید نے فارسی اور عربی کی بہت سی مبسوط کتابوں کا انتخاب اس طرح کیا ہے کہ وہی انتخاب ان مبسوط کتابوں کے معانی کا فائدہ دیتا ہے۔ فارسی میں شعر بھی کہے تھے۔ ان کی تخلیقات نظم و نثر کا پتہ نہ چل سکا"۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ باجن کے ایک نواسے یا پسر زادے (نبیرہ) نے فقہ حنفی پر ایک مبسوط کتاب 'مراۃ المسائل' تصنیف کی تھی۔ شاہ باجن کی اولاد میں سے ایک صاحب تصنیف فرد شاہ اسد کا ذکر صاحب تذکرہ اولیائے دکن نے انوار الاخیار اور مشکوٰۃ النبوۃ کے حوالے سے کیا ہے۔ مذکورہ اسد اللہ کے صاحب زادے قدرت اللہ خزانۂ رحمت کے اس قلمی نسخے کے کاتب ہیں جو کراچی یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ کراچی کا خزانۂ رحمت کا قلمی نسخہ ان پانچ نسخوں میں سے ایک ہے جن کا ابھی تک پتا چل سکا ہے۔

حضرت شاہ باجن کے نمونۂ کلام کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے ایک بات اور میں کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ باجن کتنے عظیم المرتبت عالم اور شاعر تھے اور آپ نے مخلوط اردو زبان کو

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

اردو دنیا

ہندی اور اردو میں تین بار علاقائی خبروں کے نشریہ کا مطالبہ

نئی دہلی۔ بہار کی وزیر اعلا محترمہ رابڑی دیوی کی جانب سے ریاستی وزیر اوپیندر پرساد ورما نے وگیان بھون میں منعقدہ انٹر اسٹیٹ کونسل کی ساتویں میٹنگ میں مرکزی حکومت سے دور درشن اور آکاش وانی سے ہندی اور اردو میں تین بار علاقائی خبریں ہر روز نشر کیے جانے کی مانگ کی ہے۔ انھوں نے علاقائی چینل پر ایک گھنٹے کا وقت ریاستی حکومت کو دینے کی بھی مانگ کی۔
(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو اخبار کے مدیروں کو بیس نکاتی پروگرام کمیٹی میں شامل نہ کیا جانا افسوسناک

پٹنہ۔ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو ہے۔ مگر یہاں اردو اپنے جائز حقوق سے محروم ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری اداروں اور کمیٹیوں وغیرہ میں اگر اردو والوں کی نمائندگی کا سوال ہوتا ہے تو اردو والے اس سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں لہٰذا اردو ہر اعتبار سے بڑی ناانصافی کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ خیالات اردو کونسل جھارکھنڈ کے کنوینر ڈاکٹر الف جاداں کے ہیں جو انھوں نے اپنے ایک اخباری بیان میں ظاہر کیے ہیں۔

ڈاکٹر جاداں نے کہا کہ ابھی راجدی سرکار کے حالیہ فیصلے میں بھی اردو کے حق کی پامالی ہوئی ہے جو انھوں نے بیس نکاتی پروگرام کمیٹی کے ممبران کے نامزدگی کے سلسلے میں لیا ہے۔

اس کمیٹی میں ہندی اور انگریزی کے روزناموں کے مدیران حضرات کو نمائندگی دی گئی ہے لیکن اردو اخبارات کے مدیروں کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے حتیٰ کہ بہار و جھارکھنڈ کے مقبول اردو روزنامہ "قومی تنظیم" کے مدیر کو بھی اس کی رکنیت سے محروم رکھا گیا۔ ڈاکٹر جاداں نے حکومت کے اس فیصلے کی مذمت کی اور کہا کہ حکومت اس ضمن میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔
(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

مہدی پٹنم تا مولانا آزاد یونیورسٹی روڈ کو مولانا آزاد سے موسوم کرنے کا مطالبہ

حیدر آباد۔ مہدی پٹنم سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد اردو یونیورسٹی تک کی سڑک کو مولانا آزاد کے نام سے موسوم کرنے کے لیے ایک قرار داد کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کے جلسہ منعقدہ آصف نگر میں منظور کی گئی۔ مولانا آزاد کے یوم پیدائش کے سلسلے میں جاری ایک ہفتہ کی تقاریب کے تحت یہ اجلاس منعقد ہوا۔ ایک اور قرار داد منظور کرتے ہوئے جناب جلیل پاشا نے مولانا آزاد کے یوم پیدائش کو سارے ملک میں یوم قومی تعلیم کی حیثیت سے منانے کی اپیل کی۔
(منصف۔ حیدر آباد)

کرناٹک میں کنڑا اور اردو نرسری اسکولوں کی منظوری کی اپیل

بیدر۔ ڈاکٹر ایم۔ اے۔ قادری جنرل سکریٹری کرناٹک اردو ڈیولپمنٹ سکریٹری سیدر نے اپنے صحافتی بیان میں حکومت کرناٹک سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ریاست کرناٹک میں آج تک ہزاروں طالبات جو این۔ ٹی۔ ٹی سے فارغ ہیں بیروزگاری کا شکار ہیں۔ پرائمری اور ثانوی تعلیم کی ترقی اور طالب علم میں تعلیمی شعور کے فروغ کے لیے نرسری اسکول ہی واحد سنگ میل ثابت ہو سکتے ہیں جس کی آج ہر جگہ پر ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لیے حکومت کرناٹک سے پُر خلوص اپیل ہے کہ وہ اس جانب عاجلانہ غور فرماکر ریاست میں نرسری مدارس کے قیام اور اس کی منظوری کی طرف عملی پیش رفت کریں۔
(سیاست۔ حیدر آباد)

مابعد جدیدیت نے قاری کا رتبہ بلند کیا ہے

بنگلور یونیورسٹی میں پروفیسر عتیق اللہ کا خطاب

شعبہ اردو بنگلور یونیورسٹی کی طرف سے ۲۰/اکتوبر کو منعقدہ ایک تقریب میں ادب کی موجودہ صورت حال پر خطاب کرتے ہوئے پروفیسر عتیق اللہ (صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی) نے کہا کہ ترقی پسند ادب میں نظریہ اہم تھا۔ جدیدیت نے تصنیف پر زور دیا اور مابعد جدیدیت نے قاری پر اصرار کیا ہے۔ ترقی پسندی میں ہر چیز واضح تھی۔ جدیدیت میں غیر واضح، ابہام اور ابہام۔ مابعد جدیدیت یہ کہتی ہے کہ معنی معلق ہیں۔ اس تصور کے نتیجے میں متن کی ملکیت قاری کی ہے اور وہی اس کا مصنف بھی۔ متن مصنف سے جدا ہونے کے بعد ہر دور میں اپنے معنی بدل دیتا ہے۔ اس لیے متن کے معنی معلق نہیں بلکہ معلق ہیں۔ معنی کی دریافت قاری کرتا ہے۔ مابعد جدیدیت نے قاری کا رتبہ بلند کیا ہے۔

مزید اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر عتیق اللہ نے کہا کہ شمس الرحمٰن فاروقی تہذیب آشنائی کو ادب سے لطف اندوز ہونے کے لیے لازم رکھتے ہیں لیکن دوسری تہذیبوں میں رہتے ہوئے بغیر بھی ان کے ادب سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ادب کے مشرقی تصور پر استوار ادبی تخلیق نگاری کے نظریے سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ نئے تخلیقی کی زبان کو بھی نئی ہونا چاہیے۔ آپ داستانی زبان میں اسے بیان نہیں کر سکتے۔ ناول، افسانہ اور ڈراما مغرب سے اردو میں آیا۔ ان اصناف کی جڑیں مشرقی ادب میں تلاش نہیں کی جا سکتیں اور ان سے دستبرداری کے بعد اردو ادب میں کیا باقی رہ جاتا ہے بعض حلقوں میں انحطاط یعنی Stagnant کی بات کی جاتی ہیں۔ وہ ادب کو صدیوں پیچھے کھینچ لے جانا چاہتے ہیں۔ پروفیسر عتیق اللہ نے کہا کہ مغرب میں تحریکیں اور رجحانات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور تجربات بھی تیزی سے ہوتے رہتے ہیں، ان سے اثر لینا کوئی بے جا بات نہیں ہے۔

اس تقریب میں جناب یوسف عارفی، ڈاکٹر قاضی ضیاء، ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر محمد نور زمانی، ڈاکٹر زبیدہ بیگم کے علاوہ متعدد اساتذہ، طلبہ اور اہل علم شریک تھے۔ پروفیسر حمید سہروردی نے پروفیسر عتیق اللہ کا تعارف کرایا اور پروفیسر ن۔ م۔ سعید نے صدارت کی۔
(پریس ریلیز شعبہ اردو بنگلور یونیورسٹی)

خدا بخش لائبریری میں یوم خدا بخش تقریبات

مولوی خدا بخش خاں کی حیات اور کارنامے پر قومی سیمینار اور جلسہ سیرۃ النبی

خدا بخش لائبریری ہر سال ۲/اگست کو بانی کتب خانہ مولوی خدا بخش خاں کی یاد میں مختلف تقریبات کا اہتمام بڑے جوش و خروش سے کر کے انھیں خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

اس سال ۲/اگست ۲۰۰۱ء کو خدا بخش لائبریری کی تاریخ میں پہلی بار "مولوی خدا بخش حیات اور کارنامے" کے موضوع پر ایک قومی سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس کا آغاز قاری محمد اکرم استاذ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد شکیل احمد شمسی نے جناب جاوید اشرف کے لکھے ہوئے ترانہ خدا بخش مترنم آواز میں پیش کیا۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ پروفیسر علاء الدین احمد (سابق وائس چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی) نے سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے اپنے زریں کلمات سے نوازا۔ سیمینار کے افتتاح کے بعد صدر جلسہ جناب جسٹس سرور علی نے خدا بخش لائبریری سے شائع شدہ تازہ ترین کتاب "مولوی خدا بخش: حیات اور کارنامے" کا اجرا کیا۔ پروفیسر علاء الدین احمد نے خدا بخش لائبریری کی ایک اور مطبوعہ سید سلیمان ندوی کی ایک کتاب "ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں" کا اجرا کیا اور جناب حبیب الرحمٰن چغانی (سابق ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری) نے ابو سلمان شاہجہاں پوری کی مرتب کردہ ایک تازہ ترین کتاب "دیوان آہ" کا اجرا کیا۔ لائبریری مطبوعات کی رسم اجرا کے بعد جناب حبیب الرحمٰن چغانی نے خدا بخش خاں کے عنوان سے اپنا کلیدی خطبہ پیش کیا اور آخر میں صدر جلسہ جناب جسٹس سرور علی نے اپنے صدارتی کلمات سے نوازا اور ڈاکٹر سلیم الدین احمد نے شرکائے جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔

مقالات کی پہلی نشست ۲/اگست کو صبح ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوئی جس کی نظامت ڈاکٹر سلیم الدین احمد نے کی اور صدارت پروفیسر کلیم الدین (سابق وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی) نے فرمائی۔ مقالات کی پہلی نشست میں ڈاکٹر فضل کبریا صدیقی نے "خدا بخش احمد و علوم کی تحین الخال و اللآثار" کے عنوان سے عربی میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے "خدا بخش خاں۔ کتاب کے حوالے سے" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر غلام مجتبیٰ انصاری نے "مولوی خدا بخش اور

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

ہم شکر گزار ہیں

پروفیسر شاہد احمد فاروقی نے مشاہیر کے ایک ہزار تیس (۱۰۳۰) خطوط انجمن کے اردو آرکائیوز کو عنایت کیے ہیں جس کے لیے ہم ان کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔ مشاہیر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

سید ابوالحسن علی ندوی، ضیاء الدین ڈیسائی، شمس الرحمٰن فاروقی، ضیاء الدین احمد شکیب، محبوب حسین جگر، افتخار امام، عابد علی خاں، ساحر ہوشیار پوری، مالک رام، کالی داس گپتا رضا، رشید حسن خاں، فضا ابن فیضی، عبدالقوی دسنوی، عقیل الدین احمد، گیان چند جین، مشفق خواجہ، نذیر احمد، شان الحق حقی، محمد عقیل، مسعود حسین خاں، آل احمد سرور، خلیق انجم، اکبر حیدری کشمیری، عابدی پشاوری، رام لعل نابھوی، گوردیال سنگھ مجذوب، سید انیس شاہ جیلانی، وحید الدین سلیم، سلیم تمنائی وغیرہ۔
(خلیق انجم)

اردو شاعرات سے گزارش

محمد اسمٰعیل کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ڈاکٹر سید اشرف حسین کی نگرانی میں "کرناٹک میں موجودہ شاعرات کی حیات اور ادبی خدمات" کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے رجسٹریشن لے چکی ہوں۔ اس سلسلے میں درج ذیل معزز شاعرات کی نشاندہی ہو گئی ہے:

حسنیٰ سرور، ڈاکٹر محمد جبیں نجم، ڈاکٹر رفعت افشاں، شاہوار بیگم، تاج افشاں تاج، نجمہ خانم نرگس، رضیہ یاسمین رفعت، سعیدہ سلطانہ، ثریا جان نگہت، یاسمین بیگم، نسرین طاہر، نور فاطمہ، شفیق پروین، آفرین، حمیدہ فریدہ خانم، ریحانہ بانو حنا، ذاکرہ شبنم، نور صبا، ستارہ بی، شاہنواز بانو شاہین۔

جن نامی گرامی شاعرات کے نام فہرست میں نہ آسکے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اپنے پتے سے آگاہ فرمائیں۔ ادب نواز حضرات سے اس راہ میں رہنمائی کی درخواست ہے۔

نور جہاں بنت حاجی الٰہی پٹیل بالیشور کالونی، ابراہیم روضہ بیجاپور ۱۰۱-۵۸۶ (کرناٹک)

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

صحت نامہ

مکرمی! "ہماری زبان" کے ۱۵ تا ۲۱ نومبر ۲۰۰۱ء کے شمارے میں اداریہ بعنوان "دہلی میونسپل کارپوریشن کے اسکولوں کے نام" میں ایک دل چسپ غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی بنا پر ایک مکمل مرد کو ایک خاتون بناکر آپ نے کمال کی سرجری کر دکھائی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ دہلی کے میئر محترم شانتی دیسائی ایک مرد ہیں، جب کہ آپ نے ان کو محترمہ شانتی دیسائی اور دہلی کی میئر لکھا ہے خدارا اس کو درست کر لیجیے۔

(رام لعل خوشباش)

اردو اسکولوں کے لیے ضلع کلکٹر سے نمائندگی

حیدرآباد۔ اے پی اردو ہندی فورم نے کلکٹر حیدرآباد جناب راجیشور تیواری کو پیش کی گئی یادداشت میں دونوں شہروں کے تمام ویں اردو اسکولوں کو دوبارہ کارکردہ بنانے کی اپیل کی ہے۔ ان اسکولوں کے بند ہو جانے سے نہ صرف تعلیم ترک کرنے والے طلبہ جو ان مدرسوں میں زیرتعلیم تھے پھر سے ناخواندگی کی طرف لوٹ رہے ہیں بلکہ اساتذہ بھی بیروزگار ہو گئے ہیں۔ فورم کے کنوینر جناب رمیش کمار اور اکبر محمود نے اس خصوص میں ڈی ای او حیدرآباد کو توجہ دلائی ہے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

بنگلور میں پروفیسر گیان چند کے اعزاز میں تہنیتی اجلاس

بنگلور (ڈاک سے)۔ ۱۰ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو اہل بنگلور کی طرف سے مقتدر محقق اور نقاد پروفیسر گیان چند جین کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو بنگلور یونیورسٹی پروفیسر م۔ ن۔ سعید نے کہا کہ پروفیسر جین اردو دنیا کی جامع حیثیت ہستی ہیں اور انھوں نے اپنے علمی کارناموں کے ذریعے ایک حیات مستعار میں کئی عمروں کا نقش قائم کیا ہے۔ جین صاحب کی خدمات کی ستائش کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ پروفیسر جین نے اردو زبان و ادب کی کئی سنگلاخ زمینوں جیسے اطلاقی لسانیات اور فن تحقیق میں سبزہ زار اگائے اور اپنی ضعیف العمری کے باوجود تحقیقی و تصنیفی سفر سبک خرامی سے طے کر رہے ہیں۔

پروفیسر جین نے سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے تہذیب کی رواداری اور ہم آہنگی کو سراہا، اردو کی ادب کی تحقیق، تدوین پر منصوبہ بند کام کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ اہل دکن، دکنی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے ہیں جب کہ اہل شمال دکنی کے اہل زبان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ استقبالیہ میں اردو کے اساتذہ، طلبہ، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور عمائدین شہر کی کثیر تعداد موجود تھی۔ پروفیسر جین نے شرکا کے متعدد سوالوں کے جواب میں کہا کہ اردو میں انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کو سلیس ترسیل کے مقصد سے من و عن استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ انگریزی علامت جمع (S) کے اردو میں بے دریغ استعمال کے بارے میں پروفیسر جین نے خیال ظاہر کیا کہ اسے اردو جمع کے قاعدے میں شامل نہیں کیا جا سکتا، صرف مرکبات میں جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے امریکہ کی جامعات میں اردو کی تعلیم، تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ہندو پاک کے اساتذہ کے علاوہ امریکی اساتذہ بھی اردو پڑھاتے ہیں۔ اردو کے مستقبل کے بارے میں پروفیسر جین نے کہا کہ شمالی ہندوستان میں اردو تعلیم کی طرف توجہ برابر بڑھ رہی ہے اور اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک اردو طلبہ کی تعداد میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ پروفیسر جین نے اردو کے لیے ناگری رسم خط کو اپنانے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ قدم اردو کا خاتمہ کر دے گا۔ جناب اعظم شاہد نے مہمانوں کا استقبال کیا اور یوسف عارفی نے شکریہ ادا کیا۔

(پریس ریلیز شعبۂ اردو بنگلور یونیورسٹی)

کرناٹک اردو اکادمی کی اسٹینڈنگ کمیٹی کا اجلاس

بنگلور (ڈاک سے)۔ کرناٹک اردو اکادمی کی اسٹینڈنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۳ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو زیر صدارت جناب وہاب عندلیب منعقد ہوا جس میں اشاعتی کمیٹی اور ایوارڈ کمیٹی کی حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں: (۱) اکادمی کے ترجمان کا احیا کرتے ہوئے اسے سال میں دو دفعہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلا شمارہ اکادمی اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن کے اشتراک سے ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو منعقد شدہ اردو صحافت کے سیمینار اور ورکشاپ کے مقالوں اور روداد پر مشتمل ہوگا۔ (۲) نایاب کتابوں کے تحت بشیر الدین صاحب کی کتاب "واقعات مملکت بیجاپور" کو شائع کرنے سے اتفاق کیا گیا۔ اس اجلاس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے دور کے ملا کی مرتبہ "فقہ محمدی" جس کا ترجمہ ڈاکٹر شفیع احمد شریف نے کیا ہے، شائع کرنے کے بارے میں غور کیا گیا۔ ڈاکٹر جہاں آرا ابراہیم رکن اکادمی سے خواہش کی گئی کہ وہ ڈاکٹر شفیع احمد شریف سے ترجمہ شدہ مسودہ حاصل کرکے اشاعت کے بارے میں اپنی رائے پیش کریں۔ (۳) ارکان سے خواہش کی گئی کہ اپنے ضلع سے متعلق لائبریریوں کو مطلوبہ کتب اور رسائل کی فہرست جلد از جلد اکادمی کے حوالے کریں۔ (۴) طے کیا گیا کہ کرناٹک کے قلم کاروں کی مطبوعہ کتب جو کسی اکادمی یا ادارہ کی مالی اعانت کے بغیر جنوری ۱۹۹۹ء سے دسمبر ۲۰۰۰ء کے عرصے میں شائع ہوئی ہوں، رقمی انعام کے لیے طلب کی جائیں اور منتخبہ کتب کو ایوارڈ سے نوازا جائے۔ کتابیں شاعری کے علاوہ افسانہ، ناول، ڈرامہ، تحقیق، تنقید، سفرنامہ، خاکہ نگاری، طنز و مزاح، سائنس، سماجی سائنس اور صحافت وغیرہ کے موضوع سے متعلق ہوں۔ مصنفین سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ اپنی کتاب کے تین نسخے رجسٹرار اکادمی کے پاس ۳۰ر نومبر ۲۰۰۱ء تک روانہ کریں۔ (۵) طے کیا گیا کہ کرناٹک کے ادیبوں و شاعروں سے ان کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں شاعری کے علاوہ افسانہ، ناول، ڈرامہ، تحقیق، تنقید، سفرنامہ، خاکہ نگاری، طنز و مزاح، سائنس، سماجی سائنس اور صحافت وغیرہ کے موضوع سے متعلق مسودات طلب کیے جائیں اور منتخبہ مسودات کی اشاعت کے لیے فی کس بارہ ہزار روپے دو قسطوں میں بہ لحاظ شرائط دیے جائیں۔ مسودات کے پانچ نسخے رجسٹرار کرناٹک اردو اکادمی کو ۳۰ر نومبر ۲۰۰۱ء تک بھیجے جائیں۔

(پریس ریلیز کرناٹک اردو اکادمی)

قرۃ العین حیدر کو اعزاز

اردو کی نامور ادیبہ محترمہ قرۃ العین حیدر کو انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ میسور کی طرف سے محترمہ کے دولت کدے پر ایک اعزاز پیش کیا گیا۔ انجمن کے جنرل سکریٹری پروفیسر سید منظور احمد نے ایک کشمیری شال اور پھولوں کا گلدستہ پیش کیا اور محترمہ کو میسور آنے کی دعوت بھی دی۔

محترمہ قرۃ العین حیدر نے اس اعزاز کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور وعدہ کیا کہ اگر ان کی صحت اجازت دے تو وہ ضرور میسور حاضر ہوں گی۔ یہ میری دیرینہ خواہش ہے۔ یاد رہے کہ چند سال قبل کرناٹک اردو اکادمی نے بھی موصوفہ کو بنگلور اور میسور آنے کی دعوت دی تھی۔ اس موقع پر منظور احمد صاحب نے موصوفہ کی تازہ کتاب "داستان باغباں" کی اشاعت پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

(گوہر ترین کیروی)

اک دیا اور بجھا

نئی دہلی۔ اردو کے ممتاز صحافی اور "شمع" (اردو) اور "سشما" (ہندی) کے ایڈیٹر جناب ادریس دہلوی کا ۲۰ر نومبر ۲۰۰۱ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

جناب ادریس دہلوی ۶۸ برس کے تھے اور دو سال سے انھیں کینسر تھا۔ ان کے لواحقین میں ان کی اہلیہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ دو فلمی پرچوں کے ایڈیٹر ہونے کے علاوہ ادبی حلقوں میں بھی ان کی بڑی شہرت تھی اور انھیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کئی ایوارڈ ملے۔ فلموں کے انتخاب کے لیے وہ دوردرشن کی کمیٹی کے بھی ممبر تھے۔

ادریس دہلوی صاحب کی تدفین جامع دہلی کے شاہی عید گاہ قبرستان میں کی گئی جہاں سیکڑوں افراد نے انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

(۲)

غالب کی شاعری کو تصویروں کے مرقعات میں پیش کرنے والے کیپٹن بی۔ جندر سیال کا حال ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر اسی سے کچھ اوپر تھی۔

انتقال سے قریب دو سال قبل ایک حادثے میں ان کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جس کے علاج کے لیے وہ چند مہینے ہسپتال میں رہے لیکن ان کے معمر ہونے کی وجہ سے انھیں خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا۔ چناں چہ وہ یہ سارا عرصہ صاحب فراش رہے۔

اسی ضعف کی حالت میں انھوں نے اپنے مرقعات کی اشاعت میں پوری مدد فراہم کی۔ یہ اشاعت مکتبہ ہند کے دہلی بیشن ڈویژن نے کی۔ اس ڈویژن کے ڈائرکٹر ڈاکٹر بی۔ کیسری وال نے اس مرقع غالب کے بیسیوں اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں کیپٹن بی جندر سیال کے قریباً ایک سو مرقعات کی رنگین تصویریں ہیں جو سخن غالب کی ایک نادر عکاسی ہے۔ کیپٹن بی جندر سیال تصویروں سے غالب کے اشعار کی تفسیر کرنے والے اولین فن کار تھے۔ اس لحاظ سے وہ اس میڈیم کے موجد تھے اور اس صنف کا اب اور کوئی فن کار نہیں ہے۔

ادارہ "ہماری زبان" مرحوم کے پس ماندگان میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

(۳)

رامپور۔ گزشتہ دنوں اردو کی مشہور صحافی اور ماہنامہ 'حجاب' کی مدیرہ محترمہ ام صہیب (احمدی خاتون) کا رامپور میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ستر سال تھی۔ مرحومہ کئی ماہ سے علیل تھیں لیکن انتقال سے تین دن پہلے بالکل ٹھیک ہو گئی تھیں۔ مرحومہ ام صہیب ڈاکٹر ابن فرید کی اہلیہ تھیں۔ انھیں قرآن و حدیث کے علاوہ دینی علوم پر غیرمعمولی عبور تھا۔ وہ جامعۃ الصالحات کی سوسس پرنسپل تھیں۔ انھیں مضامین اور افسانے لکھنے کا شوق تھا۔ ان کی تحریریں ہندوپاک کے رسائل میں شائع ہوتی تھیں۔ 'حجاب' میں ان کے تحریر اداریے ہندوپاک کے علاوہ مشرق وسطیٰ، یورپ اور امریکہ میں بے حد مقبول ہوئے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومہ کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

بقیہ صفحہ ۳ سے آگے

مقبول عام بنانے اور بڑھاوا دینے میں کتنی یادگار اور بہترین کوشش کی ہے؟ اس کو تخصوان گجرات کے مصنف ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی مرحوم نے اردو (زبان) کو برتنے اور ادبی زبان بنانے میں صوفیا کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اردو کئی ناموں سے یاد کی گئی مثلاً ہندی، ہندوی، ہندوستانی زبان، زبان ہندوستان، ریختہ، زبان اردوئے معلّٰی، علاقائی مناسبت سے اردو کے نام، گجری اور دکنی سب سے قدیم ہیں۔ جب اردو کا چلن بڑھتا گیا تو صوفیا نے اس کو بھی اپنایا۔ اس بارے میں ذیل کا اقتباس کافی ہوگا:

"گمان نکند کہ ہیچ اولیا بہ زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیرا کہ اول از جمیع اولیا قطب الاقطاب خواجہ معین الحق والملۃ والدین قدس سرہ سدہ بدیں زبان سخن فرمودہ بعد ازاں حضرت گنج شکر قدس اللہ سرہ حضرت خواجہ گنج شکر در زبان ہندی و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چناں کہ در مردم مشہور اند۔"

ایسی کئی شہادتیں ملتی ہیں کہ صوفیا درس و تدریس میں بھی مخلوط زبان کو استعمال کرتے تھے۔

اس اقتباس میں خاص بات یہ ہے کہ اب تک کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھا جائے تو گجرات کے ایک بزرگ شیخ بہاء الدین باجن کی تخلیقات کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ باجن اپنی ایک نظم کو حسب ذیل سرخی دیتے ہیں:

"ایں مناجات بہ زبان ہندوی گفتہ شدہ است:

تیرے پنتھ کوئی چل نہ سکے
جو چلے سو چل چل تھکے
پڑھ پنڈت پوتھی دھویاں
سب جان سدھ بدھ کھویاں
سب جوگی جوگ بسارے
بھ پنڈتی تپ ہارے

(وغیرہ)۔ باجن اپنی ایک دوسری نظم کو یہ سرخی دیتے ہیں:

مناقب

جب دات میں تجھ جانے
تب تو آپس ہو جا کیں
موجود کر پایہ (جانے)
تب تو موہیں بودا آئیں
باجن برہ وہی جو خدا فرمایا
محمد کی کافرے سوں ادہ لایا

(۳۰-۳۹)

اس اقتباس سے میں نے اوپر جو بہاء پلو کے روحانی بزرگ اور ولی کامل قدوۃ السالکین اور زبدۃ العارفین حضرت بہاء الدین باجن کے تعلق سے جو کچھ بھی تحریر کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے، ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۸ سے آگے

بھی ہیں۔ چناں چہ ان کی بیشتر مثنویاں حسن بیان اور تاثر کے لحاظ سے غزل جیسی ہیں بلکہ ان مثنویوں میں ایک وصف ایسا ہے جو انھیں غزلوں سے زیادہ اہم بنا دیتا ہے۔ اس وصف کا تعلق میر کی سیرت و شخصیت کے اس پہلو سے ہے جو غزلوں میں اتنا نمایاں نہیں جتنا کہ مثنویوں میں ہے۔"
(ص ۷۴)

۸۔ "تنقیدی پہلو سے قطع نظر سوانحی و تاریخی اعتبار سے 'نکات الشعرا' کی اہمیت مسلّم ہے"۔ (ص .....)

۹۔ "میر نے اپنے عشق کا بیان اپنی تین مثنویوں موسوم بہ 'معاملات عشق'، 'جوش عشق'، 'خواب و خیال' میں کیا ہے" (ص ۱۱۴)۔

۱۰۔ "ان کی مخصوص مثنویوں میں جس قسم کی محبت کا ذکر ملتا ہے اس کا تعلق ہم جنس سے نہیں بلکہ صنف نازک سے ہے۔۔۔ مثنویوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی محبت غیر فطری نہیں بلکہ فطری تھی۔"
(ص ۱۱۹)

۱۱۔ "مثنویوں میں بیان کردہ میر کی یہ عشقیہ روداد ان کی عاشقانہ غزل کے مطالعے میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں"۔ (ص ۱۳۲)۔

۱۲۔ "میر اور میر کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ان کی مثنویوں خصوصاً ان کی سوانحی مثنویوں کا مطالعہ از بس ضروری ہو جاتا ہے" (۱۳۳)۔

۱۳۔ "بات غم جاناں کی ہو یا غم زمانہ کی، میر نے یورش آلام کے باوجود ہر جگہ ایک طرح کا توازن برقرار رکھا ہے۔۔۔ یورش غم نے انھیں فسردہ و دل شکستہ کرنے سے کہیں زیادہ پُر افکار اور دردمندی کا غمگسار بنا دیا ہے۔ چناں چہ ان کے کلام پر جتنا نمایاں اثر انسان دوستی و انسانیت پرستی اور دنیا و اہل دنیا کی غم خواری اور دل نوازی کا ہے، اتنا غم زدگی و غم پرستی یا حزن و ملال کا نہیں ہے۔"
(ص ۱۲۵)

۱۴۔ "ابتدائی اشعار اور ابتدائی غزلوں میں فارسی ترکیبیں، مشکل الفاظ، پیچیدہ لغات، دور از کار استعارات و کنایات مشکل ہی سے کہیں نظر آئیں گے۔ اشکال و ابہام یا ایہام کی صنعت بھی کہیں نہ ملے گی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ عظمت شاعرانہ کے اعتبار سے غالب، اقبال و انیس کے ہم مرتبہ ہیں لیکن ان کے اشعار کو نہ کسی لغت کی ضرورت ہے نہ فرہنگ کی، جو پڑھتا یا سنتا ہے واقعی سر دھنتا ہے" (ص ۱۳۹)۔

"موضوع و مواد اور طرز سخن کے حوالے سے میر کی عشقیہ شاعری کے جن رموز و نکات کا ذکر اجمال کے ساتھ کیا گیا وہی میر اور میر کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں اور انہی کی بدولت انھیں اپنے عہد سے لے کر آج تک غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔"
(ص ۱۵۵)

کیا یہ بیش قیمت اقتباسات میر پر ایک مختصر مضمون کی صورت نہیں اختیار کر لیتے؟

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی سوا دو سو صفحات پر مشتمل کتاب "میر کو سمجھنے کے لیے" میریات کے طویل سلسلے سے متعلق تازہ ترین کوشش کی بنا پر قابل مطالعہ ہے بلکہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل توجہ کہ یہ کام فرمان فتح پوری صاحب کی اوائل عمر یا ابتدائے نقد کا ہونے کے برعکس عہد پختہ کاری کا ہے۔ میر سادے اسلوب میں درد دل کی کہانی ہی کہتا ہے مگر اس کی سادگی بیاض اسلوب والی بے نمک سادگی نہیں، یہ وہ سادگی ہے جو زیور کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس لیے میر فہمی کے لیے شعر فہمی کے ساتھ حسن نقد اور اسلوب کی جمالیات کا ادراک ضروری ہے اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا قلم ان ہی سے مالا مال ہے۔ میر تقی میر نے کہا تھا:

ریختہ میر پر ہیں اہل سخن
ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
خدا واجب الزیارت ہے

اہل سخن کے ساتھ ساتھ اہل نقد کا بھی تربت میر پر اجتماع ہے۔ آج سے نہیں، گزشتہ دو صدیوں سے، اور اس اجتماع میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی شامل ہیں، اپنی کتاب "میر کو سمجھنے کے لیے" بغل میں داب۔

☆☆☆

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

ہمسر شمیم جیلہ خدا بخش کے عنوان سے فارسی میں مقالہ پیش کیا۔ جناب شفیع مشہدی نے "جیلہ خدا بخش ایک تعارف"، جناب شاہجہاں تاکی نے "ہفت روزہ کار خدا بخش خاں اور ان کی لائبریری"، ڈاکٹر محمد ذاکر حسین نے "خدا بخش خاں کی علمی و ادبی خدمات"، میجر بلبیر سنگھ نے "خدا بخش لائبریری۔ قومی یکجہتی کی علمبردار" اور جناب حبیب الرحمٰن نے "خدا بخش خاں بحیثیت کیٹلاگر" کے عنوان سے مقالے پیش کیے۔

مقالات کی دوسری نشست تین بجے سہ پہر سے شروع ہوئی جس میں نظامت کے فرائض جناب شفیع مشہدی نے انجام دیے اور صدارت جناب حبیب الرحمٰن چغانی نے فرمائی۔ اس نشست میں ڈاکٹر سلیم الدین احمد نے "خدا بخش خاں کے آخری ایام" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ جناب امتیاز احمد نے انگریزی میں اپنا مقالہ بعنوان "Khuda Bakhsh Perception of Contemporary Political and social Question" پیش کیا۔ ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد نے ہندی میں ایک مقالہ "خدا بخش لائبریری میری نظر میں" پیش کیا۔ ڈاکٹر عتیق الرحمٰن نے "خدا بخش خاں علم و ادب کی روشنی میں"، جناب محمد بدر الدین نے "خدا بخش کے احباب و معاصرین"، جناب عرفان احمد ندوی نے "خدا بخش خاں مشاہیر کی نظر میں" اور جناب عبداللہ فیصل نے خدا بخش خاں بحیثیت تذکرہ نگار کے عنوان سے اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔

سمینار کا اختتامی اجلاس شام پانچ بجے شروع ہوا جس کی صدارت پروفیسر علاء الدین احمد نے فرمائی۔ اختتامی اجلاس میں پروفیسر مشتاق حسین چیئرمین بہار یونیورسٹی سروس کمیشن، جناب امتیاز احمد شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی، ڈاکٹر مسز بینا شرما نے خدا بخش لائبریری کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور خدا بخش لائبریری کے ذخیرۂ کتب پر اپنے تاثرات پیش کیے اور لائبریری کے عمدہ نظم و نسق اور بہتر خدمات کی ستائش کی۔ آخر میں ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری نے تمام مقررین و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

مہر اگست کو یوم وفات کے سلسلے میں بعد نماز فجر قرآن خوانی، گل پوشی اور فاتحہ خوانی کا اہتمام ہوا اور بعد نماز مغرب جلسہ میر دالانی کا اختتام ہوا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
محقق غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی	۸۰/=
خاقانی ہند ذوق دہلوی (معتبر کوائف اور مستند کلام)	کالی داس گپتا رضا	۱۲۰/=
علی سردار جعفری کے خطوط	خلیق انجم	۱۷۵/=
بیسویں صدی کی اردو شاعری	اوصاف احمد	۳۰۰/=
گلکاری و حشمت کا شاعر: مجروح	خلیق انجم	۲۳۰/=
سحر البیان (میر غلام حسن حسن دہلوی)	رشید حسن خاں	۳۲۵/=
مسائل تصوف	میکش اکبر آبادی	۸۵/=
بیسویں صدی کی ممتاز شخصیت پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	خلیق انجم	۱۰۰/=
غالب کا فن	عبدالمغنی	۵۰/=
مثنوی لخت جگر	ارجمند آرا	۱۶۰/=
توقیت غالب	ڈاکٹر کاظم علی خاں	۱۰۰/=
آصف علی نور اور ونا آصف علی	خلیق انجم	۳۵۰/=
اشاریہ غالب	تسنیم جہاں	۵۰/=

شہاب کاظمی کی تین کتابیں

میری قلم رو سے

❁ یہ کتاب اردو کے مشہور شاعر جناب سخاوت احمد شہاب کاظمی کے نعت، قصائد، سلام، مناقب، نوحہ اور دیگر رثائی تخلیقات پر مشتمل ہے۔

❁ شہاب کاظمی صاحب کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ رثائی ادب سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بہت اہم ہے۔

ضخامت: ۳۰۶ صفحات ——— قیمت: ۲۰۰؍روپے

مہر کے پرتو سے

❁ اردو کے مشہور مرثیہ گو شاعر جناب شہاب کاظمی کے بارہ مراثی کا مجموعہ۔ شہاب کاظمی صاحب پندرہ سولہ سال سے مرثیہ لکھ رہے ہیں اور اس صنف پر انھیں پورا عبور حاصل ہے۔ انھوں نے اس مجموعے کی ترتیب و تزئین میں بڑی دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ شائقین مرثیہ کے لیے یہ کتاب کسی سوغات سے کم نہیں۔

ضخامت: ۲۷۳ صفحات ——— قیمت: ۲۰۰؍روپے

یہ خلش کہاں سے ہوتی ہے

❁ یہ کتاب شہاب کاظمی کے ۱۹۸۷ء سے اب تک کے کلام پر محیط ہے۔ اس میں غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ شہاب صاحب نے اشعار میں صحتِ کلام و بیان اور قواعد شعری کا التزام و اہتمام رکھا ہے۔

❁ یہ کتاب شعری ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔

ضخامت: ۱۵۹ صفحات ——— قیمت: ۲۰۰؍روپے

ان تینوں کتابوں کو انجمن ترقی اردو (ہند) نے شائع کیا ہے

ارمغانِ سرور

مرتبہ: اصغر عباس

❁ پروفیسر آل احمد سرور ہمارے عہد کے ممتاز ادیب، محقق، نقاد، دانش ور اور اردو تحریک کے صفِ اول کے علمبرداروں میں ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور کی علمی، ادبی اور تنقیدی خدمات کے اعتراف میں شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ۲۴ اور ۲۵؍فروری ۲۰۰۱ء کو دو روزہ آل احمد سرور قومی سیمینار منعقد کیا تھا جس میں ان کی مختلف الجہات شخصیت پر معلومات افزا اور بہت اہم مقالے پڑھے گئے تھے۔ انھی مقالوں کو پروفیسر اصغر عباس نے بڑے سلیقے سے کتابی شکل میں ترتیب دیا ہے۔

❁ پروفیسر آل احمد سرور کی شخصیت، ادبی خدمات اور اردو تحریک کے سلسلے میں ان کی کاوشوں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

ضخامت: ۲۶۱ صفحات ——— قیمت: ۱۵۰؍روپے

۱۸۵۷ء کے غدّاروں کے خطوط

دوسرا اڈیشن

تحقیق مخطوطات تراجم	تالیف تدوین اشاعت
سلیم قریشی	سید عاشور کاظمی

❁ انتہائی حساس اور اہم موضوع پر ایک ایسی تاریخی کتاب جو پہلی جنگ آزادی یعنی ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے سلسلے میں اہم مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں انگریزی فوج کے افسروں کے نام ان ضمیر فروشوں اور ملک دشمن ہندوستانی جاسوسوں اور غداروں کے خطوط ہیں جنھوں نے دولت اور جاہ و منصب کی لالچ میں وطن کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔

❁ کتاب کے شروع میں "وضاحتیں" کے عنوان سے سلیم قریشی صاحب اور "گھر کے چراغ سے" کے زیر عنوان سید عاشور کاظمی صاحب کی بہت اہم تحریریں شامل ہیں۔

❁ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے اسباب اور محرکات کو حقائق کے پس منظر میں سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ضخامت: ۲۳۲ صفحات ——— قیمت: ۱۲۵؍روپے

میر کو سمجھنے کے لیے
شخصیت و شاعری کا ایک مطالعہ

ڈاکٹر سلیم اختر

اگرچہ علامہ اقبال اور مرزا غالب کے مقابلے میں اردو تنقید میں میر تقی میر پر بہت زیادہ نہ لکھا گیا لیکن ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ بعض بہت اچھے شعرا جیسے ولی، مصحفی، آتش، مومن کی مانند میر پر اتنا نہ لکھا گیا جتنا اس کا حق بنتا تھا۔ ہر چند اس وقت میر تقی میر کی کتابیات مرتب کرنا مقصود نہیں تاہم اس امر پر بطور اشارہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام تذکرہ نگاروں نے میر کو سراہا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے "آب حیات" میں میر کا ٹھیک ٹھاک تذکرہ بھی کیا اور ان کی "کم دماغی" کا رونا بھی رویا۔ آزاد کے بعد مولوی عبدالحق، "کلیات میر" (۱۹۳۱ء) کے مرتب عبدالباری آسی، ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شمس الرحمن فاروقی اور ڈاکٹر عبادت بریلوی جیسے محققین اور ناقدین کے اسما ہیں اور ان پر مستزاد لاتعداد وہ مقالات جو وقتاً فوقتاً لکھے جاتے رہے ہیں۔

اگرچہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری خود کو غالب پرست کہتے ہیں لیکن انھوں نے غالب پرستی کو اندھے کی لاٹھی نہ بنایا۔ چنانچہ ایک کشادہ ذہن ناقد ہونے کے ناتے انھوں نے دیگر شعرا کو بھی سراہا۔ سرفہرست علامہ اقبال ہیں، پھر میر انیس، مرزا شوق اور حسرت موہانی پر باضابطہ کتابیں ہیں اور متعدد معاصرین پر تنقیدی و تحقیقی مقالات، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان شخصیات پر خامہ فرسائی کرتے وقت ذہن کے کسی گوشے میں میر تقی میر بھی "مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں" کے مصداق فرمان صاحب کو اپنے ریختے کی طرف توجہ دلاتے رہے یہ کہہ کر۔

ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

چنانچہ فرمان فتح پوری ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ:

"غالب، انیس اور اقبال کے بارے میں جی بھر کے پڑھنے اور کام کرنے کے ساتھ ساتھ میرا ذہن میر کی شخصیت اور فکر و فن کے تعاقب میں لگا رہا۔ 'مقدمہ انتخاب' مرتبہ مولوی عبدالحق کی معرفت چوں کہ میں بہت پہلے غزل کے حوالے سے میر کی میری کا قائل ہو چکا تھا اور ان کے تذکرۂ شعرا و مثنویات کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کر چکا تھا، اس لیے کسی نہ کسی نہج سے میر کو برابر پڑھتا رہا ۔۔۔ وہ سب کچھ دیکھنے کی کوشش کی جو پچھلے پچاس برسوں میں میر کے بارے میں شائع ہوا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی مجھے سیری نہیں ہوئی اور ایسا ہونا تو کوئی ضروری نہیں تھا اس لیے ہر لکھنے والا واقعات سے نتائج اخذ کرنے اور کسی شاعر کے فکر و فن کے بارے میں رائے قائم کرنے میں آزاد ہوتا ہے اور آخر میں اپنی ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق ہی فیصلے سناتا ہے۔" (ص ۷، ۸)

"تلاش میر" کے سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے جو اہم مراحل طے کیے ان کا حاصل تازہ ترین کتاب "میر کو سمجھنے کے لیے: شخصیت و شاعری کا مطالعہ" ہے۔ چالیس اردو اور دو انگریزی کتابوں کے بعد طبع ہونے والی یہ کتاب بلحاظ تدبیر کاری جداگانہ ہے۔ مروجہ انداز کے مطابق میر کی شخصیت اور شاعری کا مجموعی مطالعہ ہونے کے برعکس یہ کتاب ان اساسی ماخذ پر روشنی ڈالتی ہے جو مطالعہ میر میں بنیادی اہمیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔ یعنی تذکرۂ نکات الشعرا، ذکر میر اور مثنویات۔ بالفاظ دیگر ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بموجب ان تینوں کے مطالعے سے وہ تناظر تشکیل پاتا ہے جس میں میر کی شخصیت اور شاعری کا مطالعہ سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اپنے موقف کی وہ ان الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں:

"قارئین اور دوسرے ناقدین و محققین کی رائے خواہ کچھ بھی ہو، میرے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ میر کی سیرت اور شخصیت اور کلام کو سمجھنے کے لیے جہاں ان کی غزلیات کا مطالعہ کرنا چاہیے وہاں ان کی مثنویات اور تذکروں یعنی 'نکات الشعرا' اور 'ذکر میر' کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اولاً ان ہی پر بھرپور توجہ دینی چاہیے اور ان کے مطالعے کی روشنی میں میر کی عشقیہ شاعری کو بھی جانچنا پرکھنا چاہیے۔" (ص ۹)

۲۲۲ صفحات کی کتاب میں مطالعہ میر ان ابواب پر مشتمل ہے۔ مطالعہ میر کے بنیادی ماخذ، میر بحیثیت تذکرہ نگار، میر اپنی مثنویات کی روشنی میں، میر کا عشق اور ان کی عشقیہ شاعری، میر کے مختصر سوانحی کوائف، مقدمہ کلیات میر مرتبہ عبدالباری آسی، مطبوعہ ۱۹۳۱ء بطور ضمیمہ۔

کتاب کا باب اول یعنی "مطالعہ میر کے بنیادی ماخذ" دراصل اسی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ڈاکٹر فرمان صاحب نے میر شناسی کی اپنی عمارت استوار کی ہے۔ انھوں نے "کتاب سے پہلے" جو لکھا اس کی توثیق اسی باب کے آغاز میں یہ لکھ کر کی:

"میر کے بارے میں وثوق سے کچھ جاننے اور ان کے فکر و فن کے بارے میں رائے قائم کرنے کے بنیادی ماخذ صرف چند ہیں۔ ان میں 'کلیات میر'، 'نکات الشعرا' اور 'ذکر میر' کو اولیت حاصل ہے۔ بعد ازاں محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' سے لے کر شمس الرحمن فاروقی تک جتنی تحریریں بشمول دلی کالج میگزین میر تقی میر نمبر اور 'نقوش' لاہور، میر تقی میر نمبر سامنے آئے ہیں ان میں اردو شعرا کے قدیم تذکروں کے بعد صرف دو 'مقدمہ کلیات میر' از عبدالباری آسی بطور نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء اور 'میر تقی میر — حیات اور شاعری' از خواجہ احمد فاروقی، بطور انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۵۴ء ایسے ماخذ ہیں جنھیں بنیادی کہا جا سکتا ہے۔" (ص ۱۱)

مندرجہ بالا اقتباس کی دو گونہ اہمیت ہے۔ ایک تو اس سے ڈاکٹر صاحب کی میر فہمی کی فکری اساس کا تعین ہو جاتا ہے اور دوسرے ناقدین، ادبی مورخین، ادب کے اساتذہ اور مطالعہ میر کے سنجیدہ طلبہ کو اس سے رہنمائی بھی ہو جاتی ہے۔ اساسی ماخذ سے صرف نظر کے بعد مطالعہ میر اگر غلط بھی ہو تو بے بنیاد ہونے کی وجہ سے "بے ست" قیاس ہو سکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری "میر کو سمجھنے کے لیے" کتاب کا نام رکھتے ہیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

میر (بلکہ کسی بھی شاعر) پر خامہ فرسائی کرنے والا ناقد بالعموم حالات زیست اور شاعری کے متوازی مطالعہ سے فکر و فن، تصور زیست، حسن خیال اور اسلوب کی جمالیات سے متعلق امور اجاگر کرتا ہے اور اس ضمن میں اساسی ماخذ، ثانوی ماخذ اور اسی نوع کے مصدقہ (بعض اوقات غیر مصدقہ) مواد پر انحصار کرتا ہے، مگر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مروجہ روش کے برعکس انداز اپنا کر میر فہمی کے ضمن میں اساسی ماخذ کا تعین کرتے ہوئے تحقیق کے محدب شیشہ میں رکھ کر ان کے تجزیاتی مطالعہ کی روشنی میں میر کی شخصیت، شاعری، اسلوب اور تصور حیات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ انھوں نے میر کے سلسلے میں کوئی نئی یا چونکا دینے والی بات نہیں کی، لیکن طریق نقد کی تبدیلی کے باعث نیاپن ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اساسی ماخذ کی روشنی میں میر فہمی کے ضمن میں جو نکات اجاگر کیے ان کا خلاصہ ان ہی کے الفاظ میں پیش ہے:

- "سردست میر سے تذکرہ نگاری کی اولیت کا شرف چھیننا ان کے ساتھ زیادتی ہے" (ص ۷۳)۔
- "یہ خیال صحیح ہے کہ میر تقی میر نے شعرا کے متعلق بے لاگ آرا دی ہیں۔ ان کی رائے سے ہم اختلاف کریں یا اتفاق، اس سے انکار ممکن نہیں ہے کہ وہ شاعری کے ساتھ ساتھ تنقید کا بھی اچھا شعور رکھتے ہیں۔ ان کے لسانی اور تنقیدی شعور کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرے کے آخر میں ریختہ اور اس کے اقسام کی تعریف کرتے ہوئے فن شعر کے معیار کا تعین کرنے کی کوشش کی" (ص ۴۱)۔
- "میر اردو شاعری کے پہلے ناقد ہیں جن کے یہاں عملی تنقید سے الگ نظری تنقید کے سلسلے میں بھی بعض اصولوں اور رایوں کے نشانات ملتے ہیں" (ص ۴۲)۔
- "وہ ایک عظیم غزل گو ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز مثنوی نگار

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ایڈیٹر: خلیق انجم
پرنٹر و پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: جمال پرنٹنگ پریس، جامع مسجد دہلی-۶
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے — سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: ۸ امریکن ڈالر)
Phones: 3237210,3236299 Fax: 011-3239547
E-mail: urduadabdli@bol.net.in